امام شاہ ولی اللہؒ کے تدریسی منہج کا تجزیاتی مطالعہ

مولانا سعید الحق جدون

اسلام کی بے شمار خصوصیات میں سے ایک اہم یہ خصوصت یہ ہے، کہ اسلام نے تعلیم حاصل کرنے کو فرض قرار دیا ہے(۱)، جس سے اس موضوع کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، انسانی زندگی میں بھی تعلیم کی ضرورت واہمیت کو ہر دور میں محسوس کیا جاتا رہا ہے، ہر مذہب کے پیروکار تعلیم کی اہمیت تسلیم کرتے ہیں۔ تعلیم کے حصول کا معروف ذریعہ "درس وتدریس "ہے، جب تدریس کا طریقہ موثر ہو تو نتیجہ بھی بہتر ہوگا، ورنہ فائدے کی بجائے نقصان ہوگا، اس لئے مسلمان مفکرین تعلیم نے تدریس کے طریقوں کی نشاندہی کی ہے، ان مفکرین نے جہاں تعلیم کی اہمیت پر خاص زور دیا ہے وہیں نہ صرف تدریس کے اصول وقواعد بیان فرمائے، بلکہ تدریس کے مؤثر اور آسان طریقوں کی بھی نشاندہی کی۔ ان مفکرین میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ بھی ہیں۔ جنھوں نے تدریس کے اصول وقواعد نہ صرف اپنی کتابوں میں جابجا ذکر کیے ہیں، بلکہ اس فن پر مستقلاً ایک رسالہ "فن دانشمندی "کے نام سے فارسی میں تحریر فرمایا، جس کی شرح آپ کے فرزند شاہ رفیع الدین نے "تکمیل االاذھان "کے نام سے عربی میں فرمائی تھی۔ اس مضمون میں شاہ ولی اللہؒ کی تدریسی اصول وقواعد پیش کیے جاتی ہیں۔

اصول تدریس عہد قدیم سے مسلسل پڑھی جانے والا فن:

آج کل ہماری یونیورسٹیوں میں ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ میں اصول تدریس کا مضمون پڑھایا جاتا ہے، مدارس میں اس فن کی کوئی خاص کتاب نہیں پڑھائی جاتی ہے، تاہم اب وفاق المدارس کے زیر انتظام بعض مدارس میں تدریب المعلمین کے حوالے سے سیمینارز کروائے جاتے ہیں۔ عمومی طور پر لوگوں کا خیال ہے، کہ یہ نیا مضمون ہے، حالانکہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس رسالہ میں یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے، کہ یہ کوئی نیا مضمون نہیں ہے، بلکہ اس سے پہلے سے اس کے ماہرین موجود تھے، جو نسل درنسل پڑھاتے تھے، تاہم برصغیر میں اس فن کو تدوین وتحریر میں لانے کا بیڑا امام شاہ ولی اللہؒ نے اٹھایا، اس لحاظ سے شاہ ولی اللہؒ کی کتاب "فن دانشمندی "اس فن کی پہلی

کتاب شمار کی جاتی ہے(۲)۔شاہ صاحب نےفنِ اصولِ تدریس کوجن حضرات سے سیکھا اورآپ کے اساتذہ نے جن اساتذہ ومشائخ سے سیکھا،تو ایک طویل سلسلہ سند ہے جس کو انھوں نے اس کتاب کے شروع میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

امابعد مے گوید فقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم ،ایں فن دانشمندی از والدِ خود کسب نمود، وایشاں از میر محمد زاہد، وایشاں از ملا محمد فاضل، وایشاں از ملا یوسف قراباغی، وایشاں از مرزا جان، وایشاں از ملا محمود شیرازی، وایشاں از ملا جلال الدین دوانی، وایشاں از والد خود ملا اسعد بن عبدالرحیم واز ملا الدین گازرانی، وایشاں ہر دو از ملا سعد الدین التفتازانی واز سید شریف جرجانی، وایشاں از قطب الدین رازی، وایشاں وملا سعد الدین تفتازانی ہر دو از قاضی عضد، وایشاں از ملا زین الدین، وایشاں از قاضی بیضاوی، وایشاں راسندیست تا شیخ ابوالحسن اشعری درکتب تاریخ مشہور است (۳)۔

"امابعد اللہ تعالی کی بارگاہ کا فقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم کہتا ہے، کہ میں نے یہ فن علمِ اصولِ تعلیم وتدریس اپنے والدِ عبد الرحیم سے حاصل کیا،اور انھوں نے میر محمد زاہد سے، انھوں نے ملا محمد فاضل سے،انھوں نے ملا یوسف قراباغی سے،انھوں نے مرزا جان سے،انھوں نے ملا محمود شیرازی سے،انھوں نے ملا جلال الدین دوانی سے،انھوں نے اپنے والد ملا اسعد بن عبدالرحیم اور ملا الدین گازرانی سے،ان دونوں نے ملا سعد الدین التفتازانی اور سید شریف جرجانی سے ،انھوں نے قطب الدین رازی سے،اورانھوں نے اور ملا سعدالدین تفتازانی ہر دو نے قاضی عضد،انھوں نے ملا زین الدین سے،انھوں نے قاضی بیضاوی سے،اوران کی سند شیخ ابوالحسن اشعری تک پہنچی ہے، جو تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے"۔

اصول تدریس بیان کرنے کا مقصد:

تدریسی سلسلہ تو روزِ اول سے شروع ہے،اب تدریس کے ساتھ اصول تدریس پڑھنے اور پڑھانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کی بنیادی وجہ کتاب فہمی ہے،تاکہ طلبہ آسانی سے کتاب سمجھ جائیں،اس فائدے کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فن دانشمندی کے ابتدائی صفحات میں تحریر فرماتے ہیں: اگر کوئی از دانشمندی چہ چیز ارادہ می کنی؟ گوئم کتاب دانی اعادہ می کنیم (۴)۔"یعنی اگر کوئی یہ سوال کرے کہ علمِ اصول تعلیم کا کیا مقصد ہے؟ تو ہم اس کے جواب میں عرض کریں گیکہ اس کا بڑا مقصد تو کتاب دانی یعنی کتاب فہمی ہے۔"

شاہ صاحب کے نزدیک اصولِ تدریس:

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ تدریس کے اہم اصولِ پندرہ ہیں،لیکن ان کے نزدیک یہ اصول صرف تدریس کے لئے نہیں بلکہ اس کا اطلاق تصنیف اور تحقیق پر بھی ہوتا ہے، ان اصول کا تعین کرتے ہوئے لکھتے

ہیں: یہ بات اچھے طریقے سے معلوم ہونی چاہئے کہ اگر کوئی عالم شاگردوں کو کسی کتاب کی تدریس کرنا چاہے تو عقل و تحقیق کے مراتب کا لحاظ کرتے ہوئے اس استاد کو پندرہ باتوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے اور اگر کوئی شخص کسی کتاب کی شرح لکھنا چاہے تو اس کو بھی ان پندرہ باتوں کو سامنے رکھنا چاہئے (۵)۔

1۔ضبطِ مشکل:

عربی میں پڑھے پڑھائے جانے والے تمام علوم میں استاد کو چاہیے، کہ وہ طلبہ کو اسماء اور افعال کے مشتقات، ابواب کے تعین، خاصیاتِ ابواب، اعراب اور ترکیب وغیرہ متعین کرے، جس لفظ کی ادائیگی میں طلبہ کو ابہام ہو، اس کی تجویدی قواعد کے ساتھ وضاحت کرے، یا فقہ میں بعض اوقات متن میں ایسے مغلق عبارت ذکر کی جاتی ہے، جس سے طلبہ اس مسئلے کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتے ہیں، جیسے فقہ میں ہے: و مسئلة البئر جحط (٦)۔ "جحط" صرف ونحو کا کوئی قاعدہ نہیں ہے، بلکہ ایک فقہی مسئلے کا مخفف انداز میں ذکر ہے، جس کی وضاحت کرنی چاہیے، تدریس میں اس ضبطِ مشکل کے قاعدے کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

''تعلیم کتاب کے دوران، متن میں سے سبق کے لیے پڑھی گئی عبارت میں موجود اسماء وافعال کی وضاحت کردیں اور اس وضاحت میں ان کے معنی متعین کردیں اور اگر ان میں الفاظ یا ابواب کے لحاظ سے کوئی مشکل ہو تو اعراب وسکون کے لحاظ سے اس کو واضح کردیں۔ اسی طرح اس کا معجمہ یا مہملہ یعنی نقطہ دار یا بے نقطہ ہونا بتا دیا جائے تاکہ عبارتی غلطی خواہ تقریر کے لحاظ سے ہو یا تحریر کے لحاظ اس سے طالب علم محفوظ رہ جائے۔''(۷)۔

2۔قلیل الاستعمال الفاظ کی توضیح:

تدریس کے دوران غریب الفاظ کی شرح کرنا مدرس کی ذمہ داری ہے، یہ اصول عموماً اصولِ فقہ، علمِ عروض اور علم الکلام میں لاگو ہوسکتا ہے، جیسے امام ابوحنیفہؒ فقہ اکبر میں اللہ تعالی کے بارے میں فرماتے ہیں: وھو شی (۸) یعنی وہ اللہ تعالیٰ 'شئے' ہے۔ اردو محاورہ میں شئے کسی بے جان چیز کو کہا جاتا ہے، جب اس لفظ کا اطلاق اللہ تعالی کی ذات پر کریں اور مخاطب اس لفظ کی حقیقت (۹) نہ جانتا ہو تو وہ کیا سمجھے گا؟ اس لئے شاہ صاحب نے غریب الفاظ کی وضاحت کو تدریس کا ایک اہم حصہ قرار دیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

''اگر دوران تدریس متن میں کوئی ایسا لفظ یا الفاظ آجائیں، جو قلیل الاستعمال ہوں اور عموماً وہ لفظ یا تو استعمال ہوتا ہو یا نہیں لیکن طلبا میں وہ لفظ کسی اور مفہوم میں بدل کر استعمال ہوتا ہے، تو اس کے بارے میں طلبا کو واضح کردینا ضروری ہے، اور اس کے لغوی مطلب اور اصطلاحی مطلب اور اس فن میں اس لفظ کے استعمال سے جو مراد لی جارہی ہے، یہ سب کچھ وضاحت کے ساتھ بیان کردیا جائے''(۱۰)۔

3۔ مشکل عبارات اور قواعد کی تسہیل:

یہ اصول تمام علوم کی تدریس میں پیش نظر رکھنا چاہیے، بالخصوص قرآن کی تفسیر میں قرآنِ کریم کی عبارت کا مفہوم عیاں نہ ہونے سے بعض اوقات معاملہ کفر تک پہنچ جاتا ہے، جیسے: وَاِذِ ابتلی ابراھیم ربه (۱۱) میں ابراہیم پر زبر کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ابراہیم کو اس کے رب نے آزمایا، جب کہ ابراہیم پر پیش کی صورت میں معنی الٹ جائے گا، جو صریحا کفر ہے۔ اسی طرح استاد کو چاہیے کہ وہ عبارت سے اغلاق نکال دے، جیسے والعادِیاتِ ضبحا ٥فالمورِیاتِ قدحا ٥فالمغِیراتِ صبحا ٥(۱۲) کا مفہوم اس وقت تک واضح نہ ہوگا جب تک ان الفاظ کے معنی کی تشریح نہ کی جائے، اسی طرح عربی ادب کی کتابیں مثلاً مقاماتِ حریری، سبع المعلقہ، حماسہ وغیرہ میں بھی مغلق عبارات اور الفاظ کے معانی بیان کرنا ضروری ہے، ورنہ نقصان ہوگا۔ اس قاعدے کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ رقمطراز ہیں:

''عبارت میں موجود مشکل معنی والی عبارت یا ترکیب ہو تو اس کی وضاحت کردی جائے، اور اگر کوئی صیغہ ایسا مشکل ہو، جس کی وضاحت طلبا کے لئے مشکل ہو یا طالب علم کے ذہن پر گراں ہو اس کو علم صرف ونحو کے قواعد کے پیش نظر حل کردے''(۱۳)۔

4۔ مثال سے مسئلے کی وضاحت:

تدریس میں ایک مثال ہزار الفاظ سے بہتر ہے، یہ قاعدہ عموماً فقہ، ریاضی، طبعیات اور کیمیا وغیرہ میں استعمال ہوتا ہے، اس کے علاوہ دیگر علوم میں بھی اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، اس لئے شاہ صاحب نے مثال سے سمجھانے کے اصول کو اپنا کر لکھا ہے:

''اگر کتاب میں کوئی بات اس انداز سے کہی جارہی ہو جو طالب علم کی فہم میں آسانی کے ساتھ نہیں آرہی تو اس کی صورت بنالی جائے اور عبارت میں اس کو کھول کر بیان کیا جائے اور اس کی مثال ذکر کی جائے، تاکہ طالب علم کے ذہن میں بات آجائے۔''(۱۴)۔

5۔ زیر بحث موضوع کا اجمالی خاکہ:

استاد کو چاہیے کہ وہ پہلے اجمال اور پھر تفصیل کے ساتھ تدریس کرے۔ یہ اصول اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ استاد کو لیکچر دیتے وقت پہلے اجمالی خاکہ پیش کرنا چاہئے، اور پھر اس اجمال کی تفصیل کرنی چاہئے، تاکہ طلبا آسانی سے سمجھ سکیں۔ امام بخاریؒ نے بھی "القراء ة والعرض علی المحد (۱۵)" کے تحت ضمام بن ثعلبہؓ کی روایت سے اس اصول کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، شاہ صاحب نے بھی اس اصول کو اس انداز میں بیان فرمایا ہے:

''اس مسئلہ میں یہ بات زیر بحث ہے کہ دلائل اس انداز میں پیش کیے جائیں تا کہ وہ سامعین وطالبین کے ذہن کی عکاسی کریں لہذا اگر کتاب میں کسی مسئلے پر کوئی دلیل قائم کی گئی ہے، یا مزید دلیل قائم کرنا مقصود ہے، تو دلائل سے قبل مقدمات دلیل یا مقدمات نتیجہ طلبا کے سامنے ضرور واضح کردیا جائے ورنہ طالب علم کا ذہن لایعنی تشویشات میں الجھ جائے گا جبکہ ہمارے اس عمل سے طالب علم کی تربیت کرنا مقصود ہے اور اگر اس مقدمہ کو سمجھانے کی ضرورت کسی اور مقدمہ سے ہو تو اس کو بھی واضح کردیا جائے یا اگر مدعا کسی نتیجہ میں چھپا ہوا ہے تو ایسی صورت میں ان مقدمات سے کام لینا چاہیے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو اور ہمارا اصل مدعا بھی مکمل طور پر واضح ہوجائے۔''(١٦)۔

6۔اصطلاحات کی تعریف:

شاہ صاحب کا خیال ہے کہ ایک استاد جس فن کو پڑھاتا ہے، اس کو چاہیے کہ وہ اس فن کی تمام اصطلاحات سے طلبہ کو آگاہ کرے، اگر طلبہ کو اصطلاحات کا علم نہ ہو، تو درس ان پر بھاری ہوگا، اس باب میں ایک اہم کتاب **"کشاف اصطلاحات الفنون"** (١٧) ہے، شاہ صاحب اصطلاحات کی وضاحت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''کسی بھی علم میں کسی بھی موضوع کو بیان کرتے وقت اس میں مذکورہ اصطلاحات کی تعیین اور ان کی تعریف کرنا مقصود ہو تو اس کی حدود وقیود کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کو بیان کرلیا جائے اور اگر کسی قید میں کمی ہو تو اس کو پورا کرلیا جائے۔ اس اصطلاح کی اقسام بناتے ہوئے بات پھیلانا یا وجہ حصر کے طریقے سے اختراع امور کی تعین کرتے ہوئے ان کی جامع حد معلوم کرنا تا کہ جو اس کے لوازمات حکم ہیں باہر نہ رہیں اور جو خوارجات حکم ہیں وہ اس کے اندر داخل نہ ہوجائیں اور زائد تعریف باتیں خارج ہوجائیں اور تعریف شرح وبسط سے سارے لوازمات کو شامل ہوجائے۔''(١٨)۔

(باقی آئندہ، نیز حواشی آئندہ قسط کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں)